علامہ طباطبائی کا فقہی منہج تفسیر

معاملات

علی کاظم

۱۲۵۶۳۱۰

مجتمع زبان وفرهنگ شناسی

معاملات

بیوع :

بیوع جمع ہے بیع کی اور کلمہ بیع نقدی مال کے مقابلے میں کسی چیز کے فروخت کا مالک (بیچنے والا) نقدی پیسوں کے بدلے میں یا کسی اور شیء کے بدلے میں اپنی خریدار کے تصرف میں دیتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ بیع عقود میں سے ہے یعنی طرفین کے قبول وایجاب کی وجہ سے یہ معاملہ تحقق پاتا ہے۔ بیع میں طرفین نیاز مند ہوتے ہیں اسی سے ضروری ہے کہ عقود کی شرائط بھی رکھتے ہوں مثلا عاقل، بالغ، قصد وارادہ رکھتا اور مختار ہونا۔ بیع متضاد کلمات میں شمار ہوتا ہے (یعنی ایسے کلمات جو دو متضاد مفاھیم کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہوں) کیونکہ اس کے لغت میں معانی خریدنے اور فروخت کرنے کے ہیں۔

اسی لیے شریعت کے قانون میں بھی اس کی تعریف ایسے کی جاتی ہے کہ بیع سے مراد کسی معین ملکیت کو کسی معلوم (شیء یامال) سے عوض کرنا" "بیع عقود لازمہ میں سے ہے۔ یعنی معاملہ طے ہونے کے بعد خریدار یا بیچنے اکیلے پورے معاملے خراب نہیں کرسکتا ہاں البتہ اگر معاملہ طے کرنے کے دوران دونوں میں سے کسی کو اشتباہ ہو گیا ہو تو دونوں کی مصالحت سے فسخ ہو سکتا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اگر بیچنے والے کو یا خریدار کو نقصان ہو رہا ہو تب مستحب ہے کہ دوسرا آدمی اسے قبول کرے تاکہ نقصان کرنے والے کا نقصان نہ ہو۔

البتہ تجارت اور بیع میں ایک فرق ہے جو علامہ اپنے بیان میں واضح فرماتے ہیں۔

مرحوم علامہ کا بیان :۔

متن تفسیر :۔

﴿رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع﴾ التجارة إذا قوبلت بالبيع كان المفهوم منها بحسب العرف الاستمرار في الاكتساب بالبيع والشراء والبيع هو العمل الاكتسابي الدفعي فالفرق بينهما هو الفرق بين الدفعة والاستمرار فمعنى نفي البيع بعد نفي التجارة مع كونه منفيا بنفيها الدلالة على أنهم لا يلهون عن ربهم في مكاسبهم دائما ولا في وقت من الأوقات، وبعبارة أخرى لا تنسيهم ربهم تجارة مستمرة ولا بيع ما من البيوع التي يوقعونها مدة تجارتهم

وقيل: الوجه في نفي البيع بعد نفي إلهاء التجارة أن الربح في البيع ناجز بالفعل بخلاف التجارة التي هي الحرفة، فعدم إلهاء التجارة لا يستلزم عدم إلهاء البيع الرابح بالفعل، ولذلك نفى البيع ثانيا بعد نفي إلهاء التجارة ولذلك كررت لفظة ﴿لا﴾ لتذكير النفي وتأكيده، وهو وجه حسن.

مفہوم متن :

لا تلھیم تجارۃ ولا بیع "

تجارت کا لفظ جب بیع کے مقابلے میں استعمال کیا جائے تو اس سے عرفی اعتبار سے کسب استمراری (یعنی زیادہ مرتبہ کسی چیز کا کسب وحصول) سمجھ میں آتا ہے لیکن " بیع " سے ایک بار فروخت کرنا سمجھا جاتا ہے۔ پس این دو کلمات کے درمیان ایک دفعہ اور استمرار کا فرق ہے۔

اسی لیے بیع کی نفی کا معنی تجارت کی نفی کے بعد کہ جو تجارت کی نفی کے ساتھ نفی ہو جاتا ہے یہ ہے کہ ان اھل خانہ کو صرف تجارت استمراری خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی بلکہ ایک ایک دفعہ کے معاملات بھی ان کو خدا سے بے خبر نہیں کرتے۔ جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ " رجال لا تلھیم تجارہ ولا بیع " میں الھاء تجارت اور بیع دونوں کی نفی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا" الھاء تجارت" کے بعد الھاء بیع کو نفی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ " بیع میں فائدہ اور منفعت نقدی اور واضح ہے جبکہ تجارت میں (تھوڑی مبہم اور) مشکوک ہے۔اسی بناپر اگر تجارت خدا سے بے خبر نہیں کرتی تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ (معاملہ) بیع بھی خدا سے بے خبر نہیں کرتا۔

کیونکہ بیع کا فائدہ نقدی ہے اور خدا سے بے خبر کرنے میں موثر تر ہے۔ لہٰذا یہ فرمانے کہ بعد کہ تجارت ان کو خدا سے بے خبر (غافل) نہیں کرتی فرمایا (معاملہ) بیع بھی خدا سے بے خبر نہیں کرتا۔

اور اسی لیے کلمہ " لا" کا تکرار کیا تا کہ نفی کی بہتر یادآوری ہو اور مطلب کی تاکید کرے اور یہ بہترین روش ہے۔

سود (ربا) :

با یا ربوا لغت میں زیاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے " ربا ربوا کعلو و رباء زاد و نما وار بیہ والرابیہ علاھا" اصطلاح فقھاء میں ربا کو یوں تعریف کیا گیا ہے کہ مال کو مال سے عوض کرنا کہ ھر دو مال اولا ھم جنس ہوں اور دوسرا کیل اور وزن میں اندازہ کیے گئے ہوں یا زیادہ شرط کی بناپر قرض دینا۔

وہ سود کہ جو قرآن میں مورد سرزنش اور نھی قرار پایا ہے اور فقہ اسلامی (شیعہ اور اھل سنت) میں حرام ہے۔اس کا مالک یہی معروف معنی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو رقم دے کہ اس شرط کے ساتھ لینے والا زیادہ رقم واپس کرے گا فقہ میں اس رباء قرض کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا جا چکا ہے کہ ربا (سود) کے دو معنی ہیں ایک معنی معروف کہ جو کسی کو رقم بطور قرض دینا اس شرط کے ساتھ کہ وہ زیادہ واپس کرے اور دوسرا معنی یہ کہ دو مال کہ جو ھم جنس ہوں کیل اور وزن میں اندازہ کیے گئے ہوں انھیں عوض کیا جائے۔

مرحوم علامہ کا بیان :

متن تفسیر:

وما آتيتم من زكاة تريدون وجه الله فأولئك هم المضعفون﴾ الربا نماء المال، وقوله: ﴿ليربوا﴾ إلخ، يشير إلى وجه التسمية، فالمراد أن المال الذي تؤتونه الناس ليزيد في أموالهم لا إرادة لوجه الله - بقرينة ذكر إرادة الوجه في مقابله - فليس يزيد وينمو عند الله أي لا تثابون عليه لعدم قصد الوجه.

وما ءاتيتم من ربا----

مفہوم متن:

حکم ربا سے مراد نمو مال اور اس کے زیادہ ہونے کے معنی میں ہے جملہ یسر بوا۔۔اس کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کیوں ربا کو کہا جاتا ہے۔

اسی بنا پر مراد یہ ہے کہ وہ مال کہ جو تم نے لوگوں کو دیا ہے تا کہ ان کے مال میں اضافہ ہو نہ اس لیے کہ خدا راضی ہو۔اس قید کی وجہ سے ارادہ وجہ خدا عبارت مقابل سے سمجھ سکتے ہیں۔

وہ مال خدا کے نزدیک زیادہ نہیں ہو گا اور نمو نہیں کر پائے گا اور اس کا ثواب تمہاری طرف نہیں لوٹے گا کیونکہ تم قصد قربت نہیں رکھتے تھے۔

وماءاتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون زکات سے مراد مطلق صدقہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مال جو رضائے الھی کی خاطر تم نے دیا اور اسراف بھی نہیں کیا چندین برابر اس کا ثواب تمہیں ملے گا کلمہ (مضعف) سے مراد وہ ہے کہ جو چندین برابر فائدہ حاصل کرے اور اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ ہیں کہ یضاعف لھم ان کا مال یا ان کا ثواب چندین برابر ہے۔ پس ربا و زکات سے مراد اور ان کے قرینہ مقابل اور ان شواھد کی وجہ سے کہ جو ان دو کلمات کے ھمراہ ہیں ربا حلال ہے۔

اور وہ یہ کہ کسی کو کوئی چیز دو اور قصد قربت نہ ہو تو اور صدقہ سے مراد ایسا مال ہے کہ جو رضائے الھی کی خاطر دو یہ سب اس صورت میں (حلال ہیں) کہ اگر آیت مکہ میں نازل ہوئی تو لیکن اگر (آیت) مدینے میں نازل ہوئی تو ربا سے مراد وہی ربا حرام ہے اور زکوۃ سے مراد وہی زکوۃ واجب ہے۔

قرض:

لغت میں قرض کے معنی قطع کرنے، مرنے یا مرنے کے نزدیک کے ہیں۔

اصطلاح میں قرض ایک ایسا عقد ہے کہ جس میں طرفین میں سے ایک (آدمی) معین مال کو طرف مقابل کی ملکیت میں قرار دیتا ہے اس شرط کے ساتھ طرف مقابل اسکو بعد میں وہ مال یا اس کا بدل لوٹائے گا عقد قرض میں قرض دینے والے کو مقرض اور قرض لینے والے کو مقترض کہا جاتا ہے۔ قرض عقدی میں معوض ہے یعنی قرض لینے والے قرض لی جانے والی چیز کی مثل یا اسکی قیمت لوٹانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ قرض کے معنی مفہوم سے آشنائی کے بعد ضروری ہے کہ قرآنی نظر کو بھی بیان کیا جائے۔

مرحوم علامہ کا بیان:۔

متن تفسیر:۔

قولہ تعالی: ﴿من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضاعفه له وله أجر كريم﴾ قال الراغب: وسمي ما يدفع إلى الإنسان من المال بشرط رد بدله قرضا.

وقال في المجمع، وأصله القطع فهو قطعة عن مالكه بإذنه على ضمان رد مثله.

من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ ولہ اجر کریم

مفہوم متن:۔

راغب کہتا ہے کہ وہ مال کہ جو ایک آدمی دوسرے کو دیتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس (مال) کو لوٹا گا قرض کہلاتا ہے۔ مگر صاحب مجمع البیان کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے معنیٗ قطع کے ہیں۔ اگر قرض لینے والے کے عمل کو بھی قرض کہا گیا ہے تو نسبت کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس نے صاحب مال سے (اس کی اجازت کے ساتھ) مال لیا ہے۔ اور شرط رکھی ہے کہ اس کا مال اسے لوٹائے گا۔

فصل سوم:۔ احوال شخصیہ

ازدواج:۔

ازدواج کے لغوی معنی پیوند، تزویج، عروسی، مزاوجت، مواصلت، کے ہیں اس کے علاوہ آپس میں جفت و اکھٹے ہونا اور مزاوجہ کے معنی ہیں۔

ازدواج کے بارے میں مرحوم علامہ کا بیان:۔

متن تفسير:-

بحث حقوقي اجتماعي لا ريب أن الذي يدعو الإنسان ويبعثه نحو الاستنان بالسنن الاجتماعية أو وضع القوانين الجارية في المجتمع البشري تنبهه لحوائج الحياة وتوسله بوضعها والعمل بها إلى رفعها۔

وكلما كانت الحاجة أبسط وإلى الطبيعة الساذجة أقرب كان التوسل إلى رفعها أوجب والإهمال في دفعها أدهى وأضر فما الحاجة إلى أصل التغذي والحياة تدور معه كالحاجة إلى التنعم بألوان الطعام وأنواع الفواكه وهكذا۔

ومن الحوائج الأولية الإنسانية حاجة كل من صنفيه: الذكور والإناث إلى الآخرين بالنكاح والمباشرة، ولا ريب أن المطلوب بالنظر إلى الصنع والإيجاد بذلك بقاء النسل وقد جهز الإنسان بغريزة شهوة النكاح للتوسل به إلى ذلك.

ولذلك نجد المجتمعات الإنسانية التي نشاهدها أو نسمع بأخبارها مستنة بسنة الازدواج وتكوين البيت، وعلى ذلك كانت منذ أقدم عهودها فلم يضمن بقاء النسل إلا الازدواج.

ولا يدفع هذا الذي ذكرنا أن المدنية الحديثة وضعت سنة الازدواج على أصل الاشتراك في الحياة دون أصل التناسل أو إرضاء الغريزة فإن هذا البناء على كونه بناء محدثا غير طبيعي لم يبعث حتى الآن شيئا من المجتمعات المستنة بها على شيوع هذه الشركة الحيوية بين الرجال أنفسهم أو النساء أنفسهن وليس إلا لمباينته ما تبعث إليه الطبيعة الإنسانية.

وبالجملة الازدواج سنة طبيعية لم تزل ولا تزال دائرة في المجتمعات البشرية ولا يزاحم هذه السنة الطبيعية في مسيرها إلا عمل الزنا الذي هو أقوى مانع من تكون البيوت وتحمل كلفة الازدواج وحمل أثقاله بانصراف غريزة الشهوة إليه المستلزم لانهدام البيت وانقطاع النسل۔

ولذا كانت المجتمعات الدينية أو الطبيعة الساذجة تستشنعها وتعدها فاحشة منكرة وتتوسل إلى المنع عنه بأي وسيلة ممكنة، والمجتمعات المتمدنة الحديثة وإن لم تسد سبيله بالجملة ولم تمنع عنه ذلك المنع لكنها مع ذلك لا تستحسنه لما ترى من مضادته العميقة لتكون البيوت وازدياد النفوس وبقاء النسل، وتحتال إلى تقليله بلطائف الحيل وتروج سنة الازدواج ۔

مفہوم متن ؛۔

انسان کی حوائج اولیہ میں سے ایک یہ ہے کہ ھر جنس نر ومادہ اپنے جنس مخالف کی احتیاج رکھتا ہے اس طرح کہ اس کے ساتھ اکٹھا ہو اور اس کے ساتھ عمل جنس انجام دے۔ ہر چند کہ صانع بشر نے اس غرض جنسی کو انسان میں قرار دیا ہے اور طرفین کو شہوت پر آمادہ کیا ہے تاکہ نسل بشر باقی رہے۔

اور اسی وجہ سے گذشتہ دور اور آجکل کے معاشرے میں سب سنت ازدواجی پہ عمل پیرا رہے ہیں اور فقط یہی جہت ہی نسل کی بقا کی ضامن ہے۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ ہم اس انحصار کو قبول نہیں کرتے کیوں کہ جدید تمدن میں دوسری راہ وروش کے ذریعے بھی غرض جنس کی حاجت پوری کرنے کے لئے نظریات پیش ہوئے ہیں اور وہی اصل میں زندگی کا اشتراک ہے یہ کہ مرد آپس کے ملاپ اور عورتیں بھی ھم جنسی کے ذریعے اس حاجت کو بر طرف کرتے ہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس روش مذکور کے ذریعے آج تک کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پایا اور نہ ہی یہ شایع ہے اور نہ ان عملیات کو انجام دینے والے خانوادہ سے بے نیاز ہیں یہی اس روش (مذکور) کے غیر طبیعی ہونے کی دلیل ہے۔

مختصر یہ کہ جو پیدائش بشر کے آغاز سے لے کر ابھی تک اجتماع بشری میں رائج ہے اور زنا کے علاوہ اس (روش) کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں تھی ہاں زنا ہی خاندان کی تشکیل میں مانع ہے اور (زنا ہی) طرفین کو ازدواج کے بار سنگین کا تحمل نہیں کرنے دیتا اور یہی شہوت خود (ھم جنس) کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ خاندانوں کو جلا دیتے ہیں اور نسلوں کو منقطع کر دیتے ہیں۔

اور پھر اسی لیے تمام مجتمعاَت دینی یا طبیعی سادہ وسالم زنا کے عمل کو قبیح اور زشت قرار دیتے ہیں اور ھر وسیلے سے (زنا) مد مقابل کھڑے ہوتے ہیں۔

اجتماع متمدن اگرچہ کلی طور پر اس کی رکاوٹ نہیں بن پاتے لیکن اس کو نیکی ھر گز شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ عمل تشکیل خانوادگی کے متضاد ہے اور زیادتی نفوس اور بقائے نسل کے لئے رکاوٹ ہے لہذا جسطرح بھی ہو اسے کمتر اور سنت ازدواج کی ترویج کرتے ہیں۔

طلاق:

طلاق کے لغوی معنی بیزاری، رہائی اور ترک کرنے کے ہیں۔

اور اصطلاح میں عورت کا عقد نکاح سے رہا ہونے کا معنی مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی عورت قید نکاح سے رہائی پا لیتی ہے اسی لیے اس مفہوم خاص کے لئے طلاق لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مرحوم علامہ کا بیان:

متن تفسیر:۔

قوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ أصل الطلاق التخلية عن وثاق وتقييد ثم استعير لتخلية المرأة عن حبالة النكاح وقيد الزوجية ثم صار حقيقة في ذلك بكثرة الاستعمال.

والتربص هو الانتظار والحبس، وقد قيد بقوله تعالى: بأنفسهن، ليدل على معنى التمكين من الرجال فيفيد معنى العدة أعني عدة الطلاق، وهو حبس المرأة نفسها عن الإزدواج تحذرا عن اختلاط المياه، ويزيد على معنى العدة الإشارة إلى حكمة التشريع، وهو التحفظ عن اختلاط المياه وفساد الأنساب، ولا يلزم اطراد الحكمة في جميع الموارد فإن القوانين والأحكام إنما تدور مدار المصالح والحكم الغالبة دون العامة، فقوله تعالى يتربصن بأنفسهن بمنزله قولنا: يعتددن احترازا من اختلاط المياه وفساد النسل بتمكين الرجال من أنفسهن، والجملة خبر أريد به الإنشاء تأكيدا.....

مفہوم متن:۔

والمطلقت یتربص

اصل میں طلاق کے معنی قید وبند سے آزاد ہونے کے ہیں لیکن استفادہ کے طور پر (یعنی معنی کے ساتھ مشابھت کی وجہ سے) عورت کا قید ازدواج سے رہا ہونے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اور بالاخر اسی معنی میں کثرت استعمال کی وجہ سے باقی رہا ہے۔ کلمہ تربص انتظار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور حس کے معنی میں بھی اگر (خدا) آیت میں مورد بحث کو قید با نفسھن سے مقید کیا ہے تو اس لیے تاکہ مردوں کے لئے تمکین کے معنی پر دلالت کرے (یعنی عورت کو دوسرے مرد کے لئے اطاعت اور تسلیم ہونے کے معنی پر دلالت کرے) اور سمجھائے کہ عدت طلاق کیا ہے؟ اور کس لیے عورت عدت طلاق کے دوران کسی مرد سے ازدواج نہ کرے؟

فلسفہ عدت عورت مطلقہ:

جہاں تک تعلق ہے اس بات کہ علت کیا ہے اور کیا حکمت شرعی اس میں پائی جاتی ہے۔

(شریعت) سمجھاتی ہے کہ اس کی علت یہ ہے کہ مرد نطفہ ایک دوسرے سے مخلوط نہ ہو اور نسب حاسد نہ ہو (اگر عورت مطلقہ حامہ ہو تو معلوم ہو کہ پہلے شوھر سے حاملہ ہوئی نہ کہ دوسرے سے اور اگر عورت واجب نہ ہوتی تو معلوم نہیں پاتا کہ یہ بچہ ان دونوں شوھروں میں سے کسی کا ہے۔

میراث:۔

کلمہ "ارث" کے لغوی معنی ارثیہ "ترکہ" متروکات میراث پانے اور میراث حاصل کرنے ہیں۔

اصطلاح میں میراث سے مراد ایک انسان کا ترکہ ومال کا مستحق وسزوار ہونا دوسرے انسان کے مرنے وجہ سے اس شرط کے کہ وہ (مرنے والے کے ساتھ) ارتباط نہیں وسبس رکھتا تھا اور بس

مرحوم علامہ کا بیان:۔

متن تفسیر:۔

﴿تلك الجنة التي نورث من عبادنا من كان تقيا﴾ الإرث والوراثة هو أن ينتقل مال أو ما يشبهه من شخص إلى آخر بعد ترك الأول له بموت أو جلاء أو نحوهما

مفہوم متن:۔
تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا

کلمہ ارث اور وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک مال یا شبہ مال ایک شخص ہے دوسرے شخص کو حاصل ہو اس شرط کے ساتھ کہ پہلا شخص مرتے وقت یا جلاوطنی وغیرہ کے وقت اس مال کو ترکہ کہے۔

مرحوم علامہ کا بیان؛

متن تفسیر:۔

زفر بن اوس کے سوال کے جواب میں ابن عباس کا بیان؛۔

ابن عباس: وأيم الله لو قدم من قدم الله وأخر من أخر الله ما عالت فريضة، فقيل له: وأيها قدم الله؟ قال: كل فريضة لم يهبطها الله من فريضة إلا إلى فريضة فهذا ما قدم الله، وكل فريضة إذا زالت عن فرضها لم يكن لها إلا ما بقي فتلك التي أخر الله فالذي قدم كالزوجين والأم، والذي

أخر كالأخوات والبنات فإذا اجتمع من قدم الله وأخر بدىء بمن قدم فأعطي حقه كاملا فإن بقي شيء كان لهن، وإن لم يبق شيء فلا شيء لهن........

مفہوم متن:۔

زفر بن اوس نے کہا: (ولاثنا میں) خدانے کسی کو مقدم اور کس کو موخر کیا ہے؟

ابن عباس نے کہا: کسی بھی فریضے کو خداوند متعال نے دوسرے فریضے کے علاوہ کم نہیں کیا، اس فریضے کا صاحب انجام دینے والا مقدم ہے۔اور موخرہ وہ فریضہ ہے کہ جب وہ نیچے آئے تو پھر اسکے لیے کوئی دوسرا فریضہ نہیں بلکہ باقی وہ رہے فریضے کو حاصل کرے گا۔طایفہ اول کے در حقیقت قرآن میں دو فریضے نہیں۔ایک شوھر ہے اس صورت میں کہ اس کی بیوی کی اولاد نہ ہو اس کی نصف میراث اسے (شوھر) کو ملے گی اور اگر (بیوی) اولاد ہو تو اس کی میراث ایک چوتھائی ہو گی اور کوئی بھی عامل اس ایک چوتھائی کو کم نہیں کر سکتا۔

دوسرے طایفہ (طبقے) میں بیوی ہے کہ اگر اس کا شوھر مر جائے تو دو فریضے ممکن ہیں کہ اسکے لئے تصور کیا جائیں کہ ھر دو قرآن میں ذکر ہوئے ہیں ایک یہ ہے کہ اس کے شوہر کی اولاد ہو تو اس صورت میں ایک چوتھائی میراث ملے گی اور اگر (اس کی) اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اور اگر عورت کی میراث آٹھواں حصہ ہے تو کوئی بھی عامل اسے کم نہیں کر سکتا۔

تیسرا طبقہ والدہ ہے کہ وہ بھی قرآن میں ذکر ہوا ہے کہ دو حصے فریضے اسکے لئے معین ہیں ایک اس صورت میں کہ مرنے والے کا کوئی بھائی نہ ہو۔

تو تیسرا حصہ اور اگر بھائی ہو تو تیسرے کا نصف یعنی چھٹا حصہ میراث کا ملے گا

یہ وہ فرائض (اور حصے) ہیں کہ خدانے جنہیں مقدم رکھا ہے

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ خدانے جنہیں موخر رکھا ہے ایک فریضہ بیٹیوں کا۔ ہے کہ دو تہائی ملے گا کہ جو نصف مال ہے اور دوسرا فریضہ بہنوں کا ہے وہ تہائی مال کو حاصل کریں گی اور اگر سہام (اور حصے) زیادہ ہوئے یعنی مرنے والے شخص کے ورثاء کے دونوں طائفے (طبقے) ہوئے تو باقی بچے ہوتر کے کے علاوہ ان کے لئے کچھ نہیں ہو گا۔

یہ (لوگ) ہیں کہ خدانے جنہیں موخر رکھا ہے۔ پس جب بھی میت کا طایفہ ارسل بھی ہو اور دوم بھی طائفہ اول کو کامل (وراثت) دیں گے اور اگر کوئی چیز بچی تو طایفہ دوم کو دیں گے اور اگر کچھ نہ بچا تو کچھ نہیں ملے گا۔

باب پنجم :۔ تفردات

اعتقادی تفردات :۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائی ایک متفکر اور دانشور انسان تھے اور وہ علمی مباحث میں برھان کے دائرہ سے کبھی خارج نہیں ہوتے تھے اور مغالطے، شعر، خطابت کو برھان سے نحوی جدا کرتے تھے اور کبھی بھی فلسفی، کلامی، شھودی، اور عرفانی مسائل مخلوط نہیں کرتے تھے۔ علامہ نے تفسیر المیزان میں آیات قرآنی کو تطبیق دی اور آیات کا کلامی ابحاث کے ساتھ ارتباط کو مشخص کیا۔ علامہ طباطبائی نے جو اعتقادی و کلامی نظریات کو لئے انداز میں پیش کیا جس میں سے ضرورت دین یا جائیگاہ دین، توحید ربوبی، عذاب دائمی کافران اور رجعت وغیرہ شامل نہیں۔

ضرورت دین:۔

علامہ طباطبائی قرآن اور روایات معصومین کی مدد سے دین فطری ہونے کی تاکید کرتے ہیں۔اور اسکی تحلیل کے بارے میں لکھتے ہیں

"انسان فطرتی طور پر سعادت کا طلبگار ہے اور سعادت خود ایک سبب کا تقاضا کرتی ہے تا کہ مغلوب نہ ہو اور ایک ایسا سہارا تلاش کرتی ہے کہ جو کبھی منھدم نہ ہو

تا کہ انسان اپنی زندگی کو اس سے مرتبط کر کے ایک اندرونی سکون حاصل کرے۔ دین بھی انسان کے لئے یہی چاہتا ہے کیونکہ صرف خداوند متعال ہی ذات اقدس ایسی ہے کہ جو اپنے ارادہ میں ہر گز مغلوب نہیں ہوتی۔

علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں سورہ روم کی 30 نمبر آیت کے ذیل میں دین فطرتی ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔

توحید ربوبی:۔ جیسا کہ کلامی منہج میں بیان ہو چکا ہے علامہ طباطبائی نے بطور احسن توحید ربوبی کو بیان کیا ہے اس کے علاوہ سورہ انبیاء کی آیت نمبر 22 کی تفسیر میں برھان قائم کیا" اگر آسمان اور زمین میں خدا کے علاوہ کوئی الہ ہوتا تو (وہ) تباہ ہو جاتے آیت مذکورہ کے مطابق علامہ طباطبائی کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ" اگر فرض کیا جائے کہ عالم کے لئے متعدد خدا وجود رکھتے ہیں پس ضروری ہے کہ یہ خدا آپس میں اختلاف ذاتی (ذات میں اختلاف) اور تباین حقیقت رکھتے ہوں اگر اختلاف نہ ہو پھر تو ایک سے زائد الہ نہ ہوئے اور اگر تباین حقیقی اور اختلاف ذاتی رکھتے ہوں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ ان کی تدبیر میں بھی اختلاف ہونا چاہیئے (کیونکہ اگر ذات میں اختلاف ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اسکی صفات میں بھی اختلاف ہونا چاہیئے) جس تدبیر میں اختلاف ہوتا ہے تو ایک کی تدبیر دوسرے تدبیر کے لئے فساد (اور ابطال) کا سبب بنتی ہے اور (جب تدابیر کا ٹکراؤ ہوتا تو) آسمان اور زمین برباد ہو جاتے۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات کا نظام جاوی وساری ہے اور اجزاء عالم اپنے ھدف تک رسائی کے لئے ایک دوسرے کے مددگار رہیں اور (تمام) اجزاء اپنے ھدف کے لئے سازگار (اور مناسب) ہیں (تو اس سے) ہم سمجھتے ہیں کہ عالم کے لئے ایک خدا سے زیادہ خدا نہیں ہیں۔

عذاب دائمی کافران :

علامہ طباطبائی نے کافرون کے لئے دائمی عذاب کے بارے میں اپنی نظر سورہ بقرہ کی 167 آیت کے ذیل میں بیان کی ہے

(مختصر یہ کہ) علامہ کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں قیامت میں اپنے برے کاموں (کے انجام نہ دینے کی) حسرت کریں گی اور دنیا کی طرف پلٹنا چاہیں گے اور جو انہیں عذاب دیا جائے گا وہ خالد (دائمی) ہو گا پھر انکے لئے کوئی بازگشت نہ ہو گی ۔ کیونکہ ان کا شقی نفس اس بات کا سبب بنا کے آخرت میں صور جیسے دردناک عذاب کا مصداق نہیں ۔ اور دلیل عقلی کے مطابق وہ خود بھی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ایسے نفوس کہ شقاوت حسن کا لازمہ ذات ہے ان کے لئے عذاب خالد (دائمی) اور غیر منقطع ہے ۔

رجعت :۔

علامہ طباطبائی نے سورہ بقرہ کی آیت 208۔210 کے ذیل میں رجعت کے بارے میں بیان کیا ہے ۔ مخالفین رجعت کے نظریہ کو باطل کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ ہم فلسفی بناء بر یہ قبول کرتے ہیں کہ ایک چیز اگر قوہ سے فعل میں چلی جائے تو اس کا واپس بالقوہ میں لوٹنا محال لیکن ہم نہیں مانتے مسئلہ رجعت کا تعلق اس شخیت سے ہے کیونکہ منکرین رجعت جو فرض کیا ہے کہ وہ اس سے مربوط ہے جو اپنی طبیعی عمر گزار چکا ہے اور طبیعی موت کے باعث دنیا سے چلا گیا اسطرح کی موت کے بعد پلٹنا محال ہے لیکن وہ جو قتل کیا گیا یا کسی مرض کی وجہ سے (اپنی عمر تمام کرنے سے پہلے) چلا گیا اس طرح کی موت کے بعد پلٹنا کسی اشکال کا باعث نہیں کیونکہ ممکن ہے کسی کمال کا مستعد تھا لیکن غیر طبیعی موت کی وجہ سے کمال حاصل نہ کر پایا تو ہو سکتا ہے اس کی زندگی کے دوسرے حصے میں اسے یہ کمال حاصل ہوتا اس لئے اس کا پلٹنا کوئی حرج عقلی نہیں رکھتا کہ وہ پلٹے اور اپنے کمال کو حاصل کرے یا یہ کہ اسکی اصل استعداد مشروط ہو (مثلا) وہ برزخ میں کچھ زندگی بسر کرے اور وہ اس وقت (رجعت) دنیا کو پلٹے تا کہ (وہ) کمال پا سکے ھر دو فرض کے مطابق مسئلہ رجعت جائز ہے اور مستلزم محال نہیں ہے ۔

فقھی تفردات:

نظر علامہ طباطبائی کا احکام حدود او قاف وغیرہ کے بارے میں نظریہ علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں احکام حدود واو قاف اور خراج وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں ان احکام کے مخاطب لوگ ہیں نہ کہ پیامبر اکرمؐ پس معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں پر حکومت اجرا واجب تھا نیز علامہ نے سورہ آل عمران کی ایت 200 کے ذیل میں اس بحث کو بھی بیان کیا ہے کہ کون حکومت (اسلامی) کا اہل اور عھدہ دار ہو سکتا ہے (تفصیل کے لئے مراجع کریں سورہ آل عمران آیت 200 کی تفسیر (تفسیر المیزان))

اس کے علاوہ وہ علامہ طباطبائی نے احکام اسلامی کے بارے میں بحث کی ہے

احکام اسلامی ثبات و تغیر کے اعتبار سے ثابت اور متغیر میں تقسیم ہوتے ہیں علامہ طباطبائی احکام ثابت کو شریعت تعبیر کرتے ہیں ۔علامہ احکام ثابت کی تعریف میں لکھتے ہیں" ایسے احکام و قوانین کہ جو انسانی حیات کے مفادات و منافع کے محافظ ہوں اس اعتبار سے کہ وہ انسان ہے اور اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے

ہر زمانے میں ہر جگہ اور تمام مشخصات کے ساتھ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ جوڑے رکھتے ہیں۔اور علامہ (احکام) مقررات متغیر کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ایسے مقررات (احکام) ہیں کہ جو وقتی (عارضی) محلّی یا کوئی دوسرا اختصاص رکھتے ہیں اور زندگی کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں (یعنی جب زندگی کے حالات، جگہیں وغیرہ بدلیں گی تو ان میں بھی اختلاف پیدا ہوں گے اور بھی بدلیں گے)

علامہ کا نظریہ ہے کہ مقررات ثابت اسلام خلقت انسان اور اس کے مشخصات خاص پر استوار ہیں اور وہ ان احکام اور مقررات دین کو شریعت اسلامی کا نام دیتے ہیں۔

علامہ طباطبائی کی دوسرے مقررات اسلامی کو قابل تغیر سمجھتے ہیں کہ جو مختلف مصالحت کی وجہ سے یا زمان و مکان وغیرہ کے اختلاف کی وجہ سے تغیر پیدا کرتے ہیں۔ وہ مقررات متغیر کو آثار ولایت عامہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ جنھیں نبی اسلامؐ نے اور جانشین منصوبینؑ اس خدا کی طرف سے مقررات ثابتہ کی روشنی میں وقت و مکان وغیرہ کی مصلحت کے مطابق تشخیص دیتے ہیں اور اجرا کرتے ہیں۔

حدیث کے رد و قبول میں تفردات:

متن تفسیر:۔

حدیث کے رد و قبول کے بارے میں موحوم علامہ کا بیان :

ونحن على فطرتنا الإنسانية لا نجري على مجرد قرع السمع في الأخبار المنقولة إلينا في نادي الاجتماع بل نعرض كل واحد واحد منها على ما عندنا من الميزان الذي يمكن أن يوزن به فإن وافقه وصدقه قبلناه وإن خالفه وكذبه طرحناه وإن لم يتبين شيء من أمره ولم يتميز حقه من باطله وصدقه من كذبه توقفنا فيه من غير قبول ولا رد على الاحتياط الذي جبلنا عليه في الشرور والمضار.

هذا كله بشرط الخبرة في نوع الخبر الذي نقل إلينا، وأما ما لا خبرة للإنسان فيه من الأخبار بما يشتمل عليه من المضمون فسبيل العقلاء من أهل الاجتماع فيه الرجوع إلى أهل خبرته والأخذ بما يرون فيه ويحكمون به هذا.

فهذا ما عليه بناؤنا الفطري في الاجتماع الإنساني، والميزان الديني المضروب لتمييز الحق من الباطل وكذا الصدق من الكذب، لا يغاير ذلك بل هو هو بعينه، وهو العرض على كتاب الله فإن تبين منه شيء أخذ به وإن لم يتبين لشبهة فالوقوف عند الشبهة، وعلى ذلك أخبار متواترة عن النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) والأئمة من أهل بيته.

هذا كله في غير المسائل الفقهية وأما هي فالمرجع في البحث عنها فن أصول الفقه۔

مفہوم متن:۔

جہاں تک تعلق ہے ایسی چیزوں کا کہ جنکی صحت و مسقم (نادرستی) (یعنی صحیح ہونے یا نادرست ہونے میں) تشخیص کے بارے ہم کوئی مہارت نہیں رکھتے اس کے لئے جو عقلی روش ہے وہ یہ کہ اس فن میں ہم اہل خبرہ (وہ لوگ جو حدیث کی صحت و ضعف کو پرکھنے کی مہارت رکھتے ہیں) کی طرف رجوع کریں وہ جو بھی کہیں اسے قبول کریں یہ ایک ایسی روش ہے کہ جو فطرتی طور پر ہمارے اندر موجود ہے نیز ایک ایسا میزان ہے کہ جسے دین خدا نے حق و باطل کی تشخیص دینے کے لئے معین کیا ہے۔ بناء دینی اور بناء فطرتی میں کوئی تغیر (اور فرق) نہیں ہے بلکہ بالکل ایک نہیں دستور دینی یہ ہے کہ اگر ایک خبر مسلمانوں کے لئے نقل ہو تو اسے کتاب خدا (قرآن) پہ پرکھیں (یعنی اس خبر کے مفاھیم و مطالب قرآن کے مفاھیم و مطالب سے موافقت رکھتے ہوں)

اگر اسکی صحت و مسقم واضح ہو جائے تو تکلیف روشن ہے (یعنی اگر موافق قرآن ہے تو قبول کریں گے اور اگر مخالف قرآن ہے تو قبول نہیں کر سکتے) اور اگر کسی شبہہ کی وجہ سے کہ جو ایک خبر میں ہو قرآن کے ساتھ مقایسہ کے ذریعے اسکی صحت و مسقم کی تشخیص نہ کر پائے تو ضروری ہے توقف کریں یہی دستور (اور طریقہ) ہے جو رسول خداؐ اور ان کے اھل بیتؑ کے ذریعے تک پہنچا ہے۔ البتہ یہ دستور مسائل غیر فقھی کے ساتھ خاص ہے اور مسائل فقھی میں درست اور نادرست روایت کی تشخیص کے معیار کی بحث مفصل اور جداگانہ ہے کہ جنکا مرجع علم اصول فقہ ہے۔